بحث ونظر

قرآن کا فلسفۂ تاریخ

ڈاکٹر عبد المغنی

قرآن مجید فلسفے کی کتاب ہے نہ تاریخ کی، لیکن اس میں فلسفہ بھی ہے اور تاریخ بھی، ٹھیک جس طرح دیگر علوم وفنون کے آخری مسائل کے متعلق بنیادی ہدایات کتاب اللہ کی آیات میں موجود ہیں اسی طرح تاریخ اور اس کے فلسفے کے متعلق بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے تاریخ کا جو نتیجہ خیز استعمال اپنے آفاقی پیغام کی ترسیل کے لیے کیا ہے وہی اس کا فلسفہ ہے۔ قرآنی فلسفۂ تاریخ دراصل ایک مکمل تصورِ حیات ہے، جو کائنات اور اس میں زندگی کا ایک معین نظریہ پیش کرتا اور انسانی معاشرت کا ایک واضح نظام ترتیب دیتا ہے۔ تہذیب وتمدن کے اہم ترین اصول واقدار اسی نظریہ ونظام سے وابستہ ہیں اور فروغ وترقی کی راہیں بھی اسی سے روشن ہوتی ہیں۔ یہ اصول واقدار وہ ابدی حقائق ہیں جو نوامیسِ فطرت ہیں اور خدا کی قدرت ومشیت کا ظہور انھی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ہستی کی تخلیق اور وجود کے ارتقا کے سارے اسرار ورموز کا مرکز ومرجع یہی اسرار ورموز ہیں اور زمانہ انہی کے محور پر گردش کرتا ہوا اپنی منزل مقصود کی طرف بیہم رواں ہے۔ اس طرح قرآنی فلسفہ فی الواقع تاریخ کے مقاصد کا تعین اور اس کے اثرات کی تصریح کرتا ہے۔ یہ ایک جامع اور موثر فلسفۂ تاریخ ہے، جو ازل سے ابد تک تمام مظاہرِ صداقت پر محیط ہے۔ اس کا علم انسان کو حقیقت کی کلید عطا کرتا ہے، جس سے حسنِ عمل کی تحریک پیدا ہوتی ہے، شعور کی تربیت ہوتی ہے اور کردار کی تعمیر۔ یہ تاریخ کی وہ بہترین تعبیر ہے جس کا فہم ہی صلاح وفلاح کا ضامن ہے۔

تاریخ معروف معنوں میں ایک قسم کی وقائع نگاری اور روداد نویسی ہے، جس میں انسان کے ماضی کی سرگزشت اعداد وشمار کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔ عام طور پر تاریخ کو کسی قوم یا پوری نوعِ انسانی کا حافظہ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس لفظ سے ظاہر ہے، ماہ وسال کے تعین کے ساتھ تاریخ ایامِ گزشتہ کا حساب پیش کرتی ہے۔ اس میں واقعات کا اندراج اس طرح ہوتا

ہے کہ گزرے ہوئے زمانے کے جلوے نظر آنے لگتے ہیں اور آدمی گویا ایک پرانی فلم دیکھنے لگتا ہے۔ لیکن انسانوں کی لکھی ہوئی تاریخوں میں عام طور پر واقعات میں رنگ آمیزی کی جاتی ہے اور بعض اوقات حقائق مسخ کر دیے جاتے ہیں۔ اس کی کئی وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ مورخ کے تعصبات تاریخ میں در آتے ہیں، دوسرے نام نہاد قومی مفادات کے لیے تاریخ کا استحصال کیا جاتا ہے، تیسرے ہر دور کے رسم و رواج کا عکس تاریخ پر پڑتا ہے، چوتھے یہ کہ اکثر تاریخیں بادشاہوں، امیروں اور حاکموں کی سرگزشت ہیں، جس میں ان کی فتوحات کا حال درج ہوتا ہے اور بالعموم جنگوں کا روزنامچہ ترتیب دیا جاتا ہے، علمی، تعلیمی، تمدنی اور تہذیبی امور سے کم ہی بحث کی جاتی ہے گرچہ کچھ اقتصادی، کچھ صنعتی اور کچھ زراعتی و تجارتی مسایل کا ذکر بعض اوقات کیا جاتا ہے۔ ہر حال میں سیاست بالعموم تاریخ کے صفحات پر چھائی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ واقعات کے اخلاقی اسباب و نتائج کا سراغ لگانے کی کوشش شاذ و نادر کی جاتی ہے عصر حاضر میں ایک مدت تک تاریخ نویسی کا انداز یہی رہا ہے اور حالات کے بصیرت افروز تجزیے سے گریز کیا جاتا رہا ہے۔

یہ تجزیہ ہی دراصل فلسفۂ تاریخ ہے اور عام طور پر مورخین گویا اسے تاریخ سے الگ کر کے نظر انداز کرتے رہے ہیں۔

یہ جدید تاریخ نویسی کی سب سے بڑی کمی رہی ہے، جس کی ذمہ داری مغربی مورخوں پر عاید ہوتی ہے، اس لیے کہ انھوں نے اپنی حکومتوں کے نوآبادیاتی اور سامراجی مقاصد کا آلۂ کار بن کر ایک ایسی تاریخ سازی کو رواج دیا جسے معروضی قرار دینا مشکل ہے۔ اس سلسلے میں علمی تحقیق و تفتیش کی جتنی بھی داد دی گئی ہے سب کے محرکات سیاسی ہیں، خاص کر مشرق کے آثار قدیمہ کی جو دریافت مغربی مستشرقین نے کی ہے اس کا مقصود بسا اوقات ایشیا و افریقہ کی، بیسویں صدی کے نصف اول تک، قوموں کے ذہن و مزاج کو بگاڑنا تھا تاکہ وہ مغرب سے مرعوب ہو کر اخلاقی طور پر غیر مسلح ہو جائیں اور سامراجی نوآبادکاری آسانی سے ایک طویل عرصے کے لیے ان کے دماغ و دل پر قابو پالیں۔ یہی وجہ ہے کہ اول تو مغربی اقوام کی تاریخ، انسانیت کے عہد زریں کی شکل میں پیش کی گئی، دوسرے مشرقی اقوام کی تاریخ میں صحیح عناصر و عوامل کی قیمت پر غلط عناصر و عوامل کو نمایاں کیا گیا۔ درحقیقت تاریخ کا یہی وہ استحصال ہے جس کے نتیجے میں آزادی کے بعد بھی، تقریباً نصف صدی سے ایشیا و افریقہ میں انتشار کا دور دورہ ہے۔

یہ دوسری بات ہے کہ تاریخی اسباب کے تحت بالخصوص دو عالمی جنگوں کے باعث، یہی زمانہ خود اہلِ مغرب کے مادی عروج کے باوجود یورپ اور امریکہ، سرمایہ دارانہ جمہوریت اور اشتراکی آمریت دونوں کے خطوں میں ان کے اخلاقی زوال کا بھی ہے، جس کے زیرِ اثر ہی حالات سے عبرت پذیری کی وہ لہر چلی ہے جس نے بعض مغربی مورخوں کو فلسفۂ تاریخ کی وہ راہ دکھائی ہے جس کی طرف رہ نمائی صدیوں پہلے قرآن مجید نے کی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ چودھویں صدی عیسوی (۱۳۳۲ء) میں ایک ایسا مسلم مورخ و فلسفی پیدا ہوا جسے دنیا ابن خلدون کے نام سے جانتی ہے اور اسی شخص (ابوزید ولی الدین عبدالرحمٰن) نے فلسفۂ تاریخ کی بنیاد اپنی مشہور کتاب مقدمہ ابن خلدون میں رکھی اور آج تک سب سے بڑا مورخ فلسفی یا فلسفی مورخ تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب عمرانیات (SOCIOLOGY) کا پہلا سبق ہے جو اہلِ علم کو ملا۔ اس میں جغرافیہ سے نفسیات تک انسانی معاشرت کے ان تمام اجزائے ترکیبی سے بحث کی گئی ہے جو قوموں کی تشکیل و تعمیر کرتے ہیں، پھر قانون قدرت کے مطابق اور تقدیرِ الٰہی کے تحت مختلف وقتوں اور جگہوں میں مختلف معاشروں کے عروج و زوال کا باعث ہوتے ہیں۔ یہ انسانی احوال کی بہترین توجیہہ و تشریح ہے جو براہِ راست قرآنی بصیرت کی روشنی میں کی گئی ہے۔ ابن خلدون ایک عالم دین تھا، جس کی تعلیم حفظِ قرآن کے بعد تفسیر و حدیث، فقہ علمِ کلام، معانی و بیان، فلسفہ و منطق، شاعری، دیگر ادبیات اور علم الالسنہ پر مشتمل تھی۔ چناں چہ اس نے اپنے علمی افکار اور سیاسی تجربات سے کام لے کر تاریخ کا ایک ایسا مطالعہ و تجزیہ کیا جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی تھا۔ تاریخ و عمرانیات کے علاوہ ابن خلدون سیاسیات (Political Science) کا بھی معلم اول ہے اور اہلِ نظر اسے طبعیات (Physics) میں نظریۂ ارتقاء (Theory of Evolution) کا بانی بھی قرار دیتے ہیں، جب کہ معاشیات (Economics) کے اولین مباحث بھی اس سے منسوب کیے جاتے ہیں، گرچہ اسے ڈارون اور مارکس کے مخصوص مادی و حیوانی بقائے اصلح اور خالص طبقاتی جدلیات کا پیش رو تصور کرنا مناسب و معقول نہیں ہوگا۔ فی الواقع ابن خلدون نے تاریخ کا بین العلومی (Inter-disciplinary) مطالعہ کیا اور واقعات عالم کو ایک سلسلۂ اسباب و علل کے نتائج کے طور پر پیش کیا۔

اس طرح اس نے تاریخ کو اخلاقیات (Ethics) پر مبنی ثابت کر کے اقدار

اجتماعی (Social Values) کا سراغ لگایا۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابن خلدون کا فلسفۂ تاریخ درحقیقت ایک تذکیر ہے، جو دراصل قرآن کے پیام حقیقت سے ماخوذ ہے۔ یہ تاریخ کی وہ حرکی (Dynamic) تعبیر ہے جو کارل مارکس کی میکانکی (Mechanical) تعبیر سے بدرجہا بہتر اور صحیح معنوں میں ایک حکیمانہ ترجمانی (Scientific Interpretation) ہے۔

عصرِ حاضر کے سب سے بڑے مورخ، آرنلڈ ٹوائن بی (Arnold Toynbee) نے اپنی کتاب "ایک مطالعۂ تاریخ" (A study of history) میں وہی فلسفۂ تاریخ پیش کیا ہے جس کی بنا ابن خلدون نے چھ سو سال قبل ڈالی تھی۔ ٹوائن بی کے بعض افکار سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قرآنی نظریۂ حیات سے ابن خلدون نے روشنی پائی تھی اس کا کچھ عکس ٹوائن بی پر بھی پڑا ہے۔ اس کا ایک ثبوت اس کی کتاب "تمدن کی آزمائش" (Civilization on trial) میں ملتا ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ جدید دور میں انسانی امن و اتحاد کا واحد اصول اسلامی تصورِ توحید ہے، اس لیے کہ اسی کے ذریعے رنگ و نسل اور طبقہ و علاقہ کے تفرقے ختم ہو کر ایک عالمی معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے، جس کی بنیاد پر ہی وہ عالمی ریاست قائم ہو سکتی ہے جو آج کی دنیا کے تمام جھگڑوں کو ایک نظریاتی انداز سے طے کر کے عام حریت، اخوت اور مساوات کی قدروں کو فطری طور پر فروغ دے سکتی ہے۔ اسی طرح ایک فلاحی ریاست (Welfare State) کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے، ورنہ مادی ترقیات اور ان کے ڈھالے ہوئے مہلک اسلحے عالمی تباہی اور زوال آدم خاکی کا سامان کریں گے، اس لیے کہ اسلامی توحید کے سوا کوئی تصور انسانیت کی شیرازہ بندی کرنے سے قاصر ہے۔

قرآن کا فلسفۂ تاریخ دراصل اسلام کے اخلاقی تصورِ زمان پر مبنی ہے، جس کی نہایت مختصر، جامع، پراثر اور فکر انگیز تشریح سورۃ العصر کی آیات میں پائی جاتی ہے:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝	زمانے کی قسم، انسان درحقیقت خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے (ترجمۂ قرآن مجید از مولانا مودودیؒ)

اس ترجمہ پر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیری حاشیہ ان الفاظ میں لگایا ہے:

"زمانہ سے مراد گزرا ہوا زمانہ بھی ہے اور گزرتا ہوا زمانہ بھی۔ اس کی قسم کا مطلب یہ ہے کہ تاریخ بھی گواہ ہے اور جو زمانہ اب گزر رہا ہے وہ بھی شہادت دیتا ہے کہ وہ بات برحق ہے جو آگے بیان کی جا رہی ہے۔"

یہ بات ایمان، عمل صالح، حق کی تبلیغ اور اس کی راہ میں صبر ہے، یعنی فرد کے صالح شعور و کردار کے ساتھ ساتھ معاشرے کی حق کوشی ہے وہ ضمانت ہے جو انسان کو زمانے کی دست برد سے محفوظ رکھ سکتی ہے، ورنہ وقت کسی کی رعایت نہیں کرتا اور تاریخ کے دھارے ہر چیز کو اپنی لہروں میں بہالے جاتے ہیں۔ حسب ذیل آیت اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے:

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ	ہم نے صاف صاف ہدایت دینے
مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ	والی آیات تمہارے پاس بھیج دی ہیں،
خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَ	اور ان قوموں کی عبرت ناک مثالیں بھی
مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ○	جو تم سے پہلے ہو گزری ہیں اور وہ نصیحتیں
(نور: ۳۴)	ہم نے کر دی ہیں جو ڈرنے والوں کے
	لیے ہوتی ہیں۔ (مودودیؒ)

آیاتِ الٰہی کا تعلق ماضی کے ساتھ ساتھ مستقبل سے بھی ہے۔ کائنات کے مظاہر مسلسل انسان کی بصیرت کا سامان کر رہے ہیں:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ	عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں
وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ	بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس
لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ	میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل
(حٰمٓ السجدہ: ۵۳)	جائے گی کہ یہ فرمان واقعی برحق ہے۔

گردشِ ایام کا مقصد ایک امتحان ہے جو اس دنیا میں انسان کو ہر وقت دینا ہے اور مومن و کافر کسی کو اس سے مفر نہیں ہے:

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا	یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنھیں
بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ	ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ	رہتے ہیں۔ تم پر یہ وقت اس لیے لایا

شُهَدَآءَ ؕ	گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے
(آل عمران: ۱۴۰)	مومن کون ہیں اور ان لوگوں کو چھانٹ
	لینا چاہتا تھا جو واقعی راستی کے گواہ ہیں۔

اس کا نام قانونِ قدرت ہے جسے قرآن "سنت اللہ" کہتا ہے اور یہ ناقابلِ تغیر ہے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا	یہ اللہ کا دستور ہے جو گزشتہ لوگوں میں
مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ	جاری رہا ہے اور تم اس دستور میں کوئی
تَبْدِيلًا ۝ (احزاب: ۶۲)	تبدیلی نہ پاؤ گے۔
سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ	یہ ہمارا مستقل طریقِ کار رہا ہے جو ان سب
مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا	رسولوں کے معاملے میں ہم نے بھیجا تھا،
تَحْوِيلًا ۝	اور ہمارے طریقِ کار میں تم کوئی تغیر نہ
(بنی اسرائیل: ۷۷)	پاؤ گے۔

یہی تاریخ انسانی کا وہ دستور العمل ہے جسے قرآن مجید نے تاریخ کو "قصص" قرار دے کر "اعتبار" یعنی عبرت پذیری کے لیے آفاقی اور ابدی طور پر تشکیل دیا ہے:

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ	ان کے قصوں میں عقل مندوں کے لیے
لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (یوسف: ۱۱۱)	عبرت ہے۔
إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ	اس واقعے میں اللہ سے ڈرنے والوں
يَخْشَىٰ (النازعات: ۲۶)	کے لیے سامانِ عبرت ہے۔
فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ (الحشر: ۲)	اے دیدہ ورو! عبرت حاصل کرو
قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا	ان سے کہو روئے زمین پر گھوم پھر کر
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ (النمل: ۶۹)	مشاہدہ کریں کہ مجرموں کا انجام کیا ہوا۔

اس سلسلے میں قرآن کریم نے ایک قاعدے کی بات عمومی انداز سے بیان کر دی ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآءِ	اور اے نبی، یہ پیغمبروں کے قصے جو ہم
الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ	تمہیں سناتے ہیں، یہ وہ چیزیں ہیں جن
وَجَآءَكَ فِي هٰذِهِ الْحَقُّ	کے ذریعے سے ہم تمہارے دل کو مضبوط
وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝	کرتے ہیں۔ ان کے اندر تم کو حقیقت

(ہود : ۱۲۰) کا علم ملا اور ایمان لانے والوں کو نصیحت
اور بیداری نصیب ہوئی

آخری آیت سے قرآنی فلسفۂ تاریخ کے حسب ذیل مقاصد اور نتائج معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ اطمینان قلب اور اعتماد نفس۔

۲۔ علم حقیقت۔

۳۔ درس و نصیحت۔

۴۔ بیداری شعور۔

یہ تنبیہ، تذکیر، تحقیق اور تسکین کے نکات ہیں، جن میں ہر ایک کے چند در چند مضمرات و اثرات ہیں۔ قرآن نے بہت ہی وسیع تاریخی مواد کے حوالے سے اپنے مخصوص فلسفے کا پیام عالم انسانیت کے لیے مرتب کیا ہے۔ اغوائے آدم کی قدیم ترین تاریخ سے لے کر اصحاب فیل کی جدید ترین تاریخ اور ذوالقرنین کے قصۂ پارینہ سے روم و ایران کی تازہ ترین کش مکش تک واقعات کا ایک سلسلہ ہے جسے جا بہ جا اور بعض اوقات بار بار پیش کر کے کتاب اللہ نے خاص قسم کے تاثرات قارئین کو دئے ہیں، تاکہ وہ غور و فکر سے کام لے کر زمانے کے حقائق سے عبرت و بصیرت حاصل کریں۔ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت نوح، حضرت داؤد و سلیمان علیہم السلام کی سرگزشت کا حوالہ بہ کثرت دیا گیا ہے۔ حضرت یوسف کے قصے کو احسن القصص قرار دیا گیا ہے۔ عاد و ثمود کی داستان بہ تکرار بیان کی گئی ہے۔ اصحاب کہف کی حقیقت پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ فرعون و قارون کو نمونۂ عبرت بنا دیا گیا ہے۔ یاجوج و ماجوج کا ذکر معنی خیز طریقے پر کیا گیا ہے۔ لقمان کی نصیحتوں کا اندراج بھی ہے اور طالوت و جالوت کے معرکوں کا بھی۔ ملکۂ سبا کی کہانی ایک طرف ہے اور حضرت مریم کا واقعہ دوسری طرف۔ تخلیق آدم سے رفع عیسیٰ تک تاریخ انسانی کو اوہام و اساطیر سے پاک کر کے صداقتوں کو روشن کیا گیا اور انکشاف کیا گیا ہے کہ نہ تو حضرت آدم گناہ کا بوجھ لے کر دنیا میں آئے نہ حضرت عیسیٰ کو صلیب دی گئی۔ حضرت ابراہیم کی سچی روداد بیان کر کے بنی اسرائیل پر واضح کر دیا گیا ہے کہ صحیح معنے میں دین و ملت کے پیغمبرانہ ورثے کیا ہیں۔ پوری انسانی تاریخ کو انبیاء و رسل کا ایک سلسلہ قرار دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ عالم انسانیت کے حقیقی ہیرو وہی ہیں۔ معجزات کی طلب سے ان کے انکار تک یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ آدمی کا ذہنی ارتقا کس طرح عہد بہ عہد ہوتا رہا ہے، یہاں تک کہ معراج النبی

نے معراج انسانیت کا سامان کر دیا۔

یہ سب باتیں اس بنیاد پر کی گئی ہیں کہ قرآنِ حکیم نے کائنات کے مشاہدہ و مطالعہ کے لیے جن ذریعوں اور طریقوں پر زور دیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ نفس انسانی کی ساخت اور کارفرمائی پر غور وفکر۔

۲۔ آفاق میں مسلسل ظہور پذیر قدرت خداوندی کے دلائل پر سوچ بچار۔

۳۔ تاریخی واقعات اور سرگزشت آدم کی تلاش و جستجو۔

اگر ان تینوں موضوعات کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کر کے دیکھا جائے، جیسا قرآن نے اشارہ کیا ہے، تو معلوم ہوگا کہ تاریخ انسانی بجائے خود ایک مرکب عنصر ہے، یہ محض واقعات و حادثات کا ایک سلسلہ نہیں ہے، لہٰذا اس کے صحیح فہم کے لیے ایک طرف زمین سے آسمان تک تمام جغرافیائی مظاہر، طبعی قوانین اور کائناتی اصول سے واقفیت ضروری ہے تو دوسری طرف انسانی جسم و روح کی تشکیل و ترقی کی آگہی بھی، یعنی حیات و کائنات کے ارتقا کا پورا علم۔ اس وسیع تناظر میں ہی تاریخ کا وہ الوہی فلسفہ ابھرتا ہے جس کی ترتیب آیاتِ قرآنی نے کی ہے۔ یہ فلسفہ انسان کو تخلیق کے مقاصد سے آگاہ کر کے اسے اپنی سیرت کے ساتھ ساتھ دنیا کی تعمیر و ترقی کے لیے آمادہ کرتا ہے تاکہ آفاقی سطح اور ابدی طور پر فروغ انسانیت ہو اور عروج آدمِ خاکی سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ جائے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو تاریخ کا آغاز تخلیق حیات کے سب سے پہلے لمحے اور مرحلے سے ہی ہو جاتا ہے، پھر اس کا ارتقا کائنات کی پیہم ترقی کے ساتھ ہوتا رہتا ہے، جب کہ آخرت کا حساب و کتاب تاریخ کے تمام افعال و اعمال اور حرکات و سکنات کا ایک منصفانہ جائزہ ہے۔ جس کے بعد جزا و سزا کا ذکر کر کے قرآنِ حکیم نے اس قانونِ فطرت کی نشاندہی کر دی ہے جس پر زمانے کی ساری سرگرمیاں مبنی رہی ہیں۔ یہی قانون جسے قانون مکافات کہا جا سکتا ہے وہ قرآنی فلسفۂ تاریخ ہے جو زندگی کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھا کر انکشاف حقیقت کرتا ہے۔ حسب ذیل آیات اس فلسفے کی تمام جہتوں کا احاطہ کر کے اس کے سب مضمرات واضح کر دیتی ہیں:۔

(۱) هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ	کیا انسان پر لامتناہی زمانے کا ایک وقت
مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا	ایسا بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابلِ ذکر

مَّذْكُورًا (الدهر-۱)

چیز نہ تھا؟

(۲) اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝
(العلق: ۱تا۵)

پڑھو اے نبی اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو، اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

(۳) لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝
(الانشقاق: ۱۹)

تم کو ضرور درجہ بہ درجہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف گزرتے چلے جانا ہے۔

(۴) اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا ۝ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا ۝ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ۝ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ۝ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ۝ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ۝ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝
(النازعات-۲۶-۳۳)

درحقیقت اس میں بڑی عبرت ہے ہر اس شخص کے لیے جو ڈرے۔ کیا تم لوگوں کی تخلیق زیادہ سخت کام ہے یا آسمان کی؟ اللہ نے اس کو بنایا، اس کی چھت خوب اونچی اٹھائی، پھر اس کا توازن قائم کیا، اور اس کی رات ڈھانکی اور اس کا دن نکالا۔ اس کے بعد زمین کو اس نے بچھایا، اس کے اندر سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑ اس میں گاڑ دیے، سامان زیست کے طور پر تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے۔

(۵) كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (مدثر: ۳۸)

ہر شخص اپنے کسب کے بدلے رہن ہے۔

(۶) وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝
(نوح-۱۴)

تخلیق کے مختلف مدارج اور اطوار سے گزرتا ہوا تمہیں موجودہ حالت پر لایا ہے۔

(۷) تَبٰرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں کائنات کی سلطنت ہے اور وہ ہر چیز

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک: ۲ – ۱)	پر قدرت رکھتا ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔
(۸) اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ (القمر: ۴۹)	ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔
(۹) وَلَقَدْ جَآءَھُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ مَا فِیْہِ مُزْدَجَرٌ ﴿﴾ حِکْمَۃٌ م بَالِغَۃٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴿﴾ (القمر: ۵-۴)	ان لوگوں کے سامنے پچھلی قوموں کے وہ حالات آ چکے ہیں جن میں سرکشی سے باز رکھنے کے لیے کافی سامان عبرت ہے اور ایسی حکمت جو نصیحت کے مقصد کو بدرجۂ اتم پورا کرتی ہے مگر تنبیہات ان پر کارگر نہیں ہوتیں۔
(۱۰) یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَوْفُوْا بِعَھْدِیْٓ اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ وَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ ﴿﴾ (البقرہ: ۴۰)	اے بنی اسرائیل! ذرا خیال کرو میری اس نعمت کا جو میں نے تم کو عطا کی تھی۔ میرے ساتھ جو تمہارا عہد تھا اسے تم پورا کرو تو میرا جو عہد تمہارے ساتھ تھا اسے میں پورا کروں، اور مجھ ہی سے تم ڈرو۔
(۱۱) تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ لَھَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿﴾ (البقرہ: ۱۳۴)	وہ کچھ لوگ تھے جو گزر گئے۔ جو کچھ انھوں نے کمایا وہ ان کے لیے ہے اور جو کچھ تم کماؤ گے وہ تمہارے لیے ہے۔ تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔
(۱۲) کَمْ مِّنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃً م بِاِذْنِ اللّٰہِ ط	بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آ گیا ہے۔

(۱۳) وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (البقرہ: ۱۵۱)

اگر اس طرح اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعہ سے ہٹاتا نہ رہتا تو زمین کا نظام بگڑ جاتا۔

(۱۴) مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ○ (النساء: ۱۴۷)

آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے، اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو۔ اللہ بڑا قدر دان ہے اور سب کے حال سے واقف ہے۔

(۱۵) مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ (المائدہ: ۳۲)

اسی وجہ سے بنی اسرائیل کے لیے ہم نے یہ فرمان لکھ دیا کہ "جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔

(۱۶) وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ (الانعام۔ ۱۶۵)

وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں زیادہ بلند درجے دیے، تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔

(۱۷) وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○ (الاعراف: ۳۴)

ہر قوم کے لیے مہلت کی ایک مدت مقرر ہے، پھر جب کسی قوم کی مدت آن پوری ہوتی ہے تو ایک گھڑی بھر کی تاخیر و تقدیم بھی نہیں ہوتی۔

(۱۸) اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ج

اور کیا ان لوگوں کو جو سابق اہل زمین کے بعد زمین کے وارث ہوتے ہیں اس امر واقعی نے کچھ سبق نہیں دیا کہ

وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ
لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ
عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا وَلَقَدْ
جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا
مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ
عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

(الاعراف: ۱۰۰، ۱۰۱)

اگر ہم چاہیں تو ان کے قصوروں پر انھیں پکڑ سکتے ہیں؟ (مگر وہ سبق آموز حقائق سے تغافل برتتے ہیں) اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ پھر وہ کچھ نہیں سنتے۔ یہ قومیں جن کے قصے ہم تمہیں سنا رہے ہیں (تمہارے سامنے مثال میں موجود ہیں) ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے مگر جس چیز کو وہ ایک دفعہ جھٹلا چکے تھے پھر اسے وہ ماننے والے نہ تھے۔ دیکھو اس طرح ہم منکرین حق کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔

(۱۹) وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ
نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا
بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ
يَضَّرَّعُوْنَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا
مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى
عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا
الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ
بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝
وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا
وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ
مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ
كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی بستی میں ہم نے نبی بھیجا ہو اور اس بستی کے لوگوں کو پہلے تنگی اور سختی میں مبتلا نہ کیا ہو، اس خیال سے کہ شاید وہ عاجزی پر اتر آئیں پھر ہم نے ان کی بدحالی کو خوش حالی سے بدل دیا، یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے اور کہنے لگے کہ "ہمارے اسلاف پر بھی اچھے اور برے دن آتے ہی رہے ہیں"۔ آخر کار ہم نے انھیں اچانک پکڑ لیا اور انھیں خبر تک نہ ہوئی۔ اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے مگر انھوں نے تو جھٹلایا،

(الاعراف: ۹۶-۹۳)

لہٰذا ہم نے اس بری کمائی کے حساب میں انھیں پکڑ لیا جو وہ سمیٹ رہے تھے

(۲۰) وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْهَا
(الاعراف: ۱۵۶)

اور ہم نے ان لوگوں کو جو کم زور بنا کر رکھے گئے تھے اس سرزمین کے مشرق ومغرب کا وارث بنا دیا جسے ہم نے برکتوں سے مالا مال کیا تھا۔

(۲۱) قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ
(الاعراف: ۱۵۶)

سزا تو میں جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں مگر میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔

(۲۲) وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْکُمْ خَآصَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝
(الانفال: ۲۵)

اور بچو اس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انھیں لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنھوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

(۲۳) مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَیْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِیْهَا وَهُمْ فِیْهَا لَا یُبْخَسُوْنَ ۝
(ہود: ۱۵)

جو لوگ بھی اس دنیا کی زندگی اور اس کی خوشنمائیوں کے طالب ہوتے ہیں ان کی کارگزاری کا سارا پھل ہم یہیں ان کو دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔

(۲۴) وَمَا کَانَ رَبُّکَ لِیُهْلِکَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۝
(ہود: ۱۱۷)

تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو ناحق تباہ کر دے حالاں کہ ان کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں۔

(۲۵) لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ ؕ
(النحل: ۳۰)

نیکوکار لوگوں کے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو ضرور ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔

(۲۶) وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ

اگر اللہ لوگوں کو ان کی زیادتی پر فوراً ہی

بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (النحل - ٦١)

پکڑ لیتا تو روئے زمین پر کسی متنفس کو نہ چھوڑتا لیکن وہ سب کو ایک وقت مقرر تک مہلت دیتا ہے۔

(۲۷) وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۱۶)

جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں، تب عذاب کا فیصلہ اس پر چسپاں ہو جاتا ہے اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔

(۲۸) وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۱۰۵)

اور زبور میں ہم نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔

(۲۹) وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا (القصص: ۵۸)

اور کتنی ہی ایسی بستیاں ہم تباہ کر چکے ہیں جن کے لوگ اپنی معیشت پر اترا گئے تھے۔ سو دیکھ لو، وہ ان کے مسکن پڑے ہوئے ہیں جن میں ان کے بعد کم ہی کوئی بسا ہے۔

(۳۰) اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (العنکبوت: ۳-۲)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ "ہم ایمان لائے" اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں اللہ کو تو یہ ضرور دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون؟

(۳۱) وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا

جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (العنکبوت:۶۹)	ہم ضرور ان کو اپنا راستہ دکھاتے ہیں اور اللہ یقیناً نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔
(۳۲) ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِىْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (الروم:۴۱)	خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے، تاکہ اللہ مزا چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آئیں۔
(۳۳) وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۚ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (الرعد:۱۱)	زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے اور خدا ہی کو پکارو خوف اور طمع کے ساتھ، یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے۔
(۳۴) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد: ۵۶)	حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔

مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں قرآنی فلسفۂ تاریخ کے جو نکات واضح ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ کائنات کی تخلیق خدا نے کی ہے اور اسی کی مشیت کے تحت ارتقائے حیات ہو رہا ہے۔ زمین و آسمان، جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان سب اسی کے بنائے اور پیدا کیے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی مخلوقات کا مالک و حاکم ہے اور جملہ موجودات اس کے زیر نگیں ہیں۔ چنانچہ زمانہ اس کی تقدیر کے مطابق پیہم گردش کر رہا ہے اور اس کی ہر حرکت ایک خدائی منصوبے کے مطابق ہے۔

۲۔ خدا نے تاریخ عالم کا ایک بے خطا اور مکمل نظام مرتب کیا ہے۔ عروج و زوال کے اسباب و وجوہ ہیں۔ مقررہ اصول و ضوابط سے ہٹ کر یا ان کو توڑ کر ایک ذرہ بھی جنبش نہیں کر سکتا۔ ہر چیز ایک قاعدے پر چل رہی ہے۔ ہر واقعہ ایک قانون کے مطابق ہے یہی وہ فطرت ہے جس کے آئین کی پابندی مقصدِ زندگی ہے۔

۳۔ یہ ایک اخلاقی دستور ہے اور حیاتیات سے معاشیات تک زندگی کے تمام

دائروں میں اس کی دفعات قدرتی طور سے کارفرما ہیں، خواہ ہر نگاہ اس صورت واقعہ کو محسوس کر سکے یا نہیں۔ یقیناً عمرانیات و سیاسیات کے اپنے اپنے وطیرے اور طریقے ہیں، مگر ان سب کے مضمرات و اثرات اس ضابطۂ حیات پر مبنی ہیں جو رب العالمین نے تجویز کر دیا ہے۔

۴۔ یہی وجہ ہے کہ تمام حالات و واقعات ہر دور میں چند بنیادی اقدار کو نمایاں کرتے ہیں۔ یہ اقدار نیک و بد اوصاف کی تعین کرتے ہیں۔ خیر و شر کی کشمکش ہی صالح عناصر کو غیر صالح سے ممتاز کرتی ہے اور اس کے نتیجے میں طے ہوتا ہے کہ کون انعام کا مستحق ہے اور کون سزا کا۔ دنیا ایک امتحان کی جگہ ہے جس میں مسلسل عمل کی آزمائش ہو رہی ہے۔

۵۔ اس آزمائش کا آخری نتیجہ عاقبت میں برآمد ہوگا، مگر اس کے اثرات دنیا میں بھی برابر ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ افراد و اقوام کی ترقی یا تباہی کے فیصلے انہی اثرات کے تحت ہوتے ہیں۔ ناکامی اور کامیابی دونوں کا مدار صلاح و فلاح کی کوشش اور فتنہ و فساد کی سعی کے تناسب پر ہے۔ جس فرد یا معاشرے کی زندگی میں صلاح یا فساد کا جیسا اور جتنا عنصر ہوتا ہے اسی کے مطابق اس کا کردار معین اور انجام رونما ہوتا ہے۔

۶۔ تاریخ کے رجحانات کبھی صحیح ہوتے ہیں کبھی غلط، لیکن ان کے نتائج معقول اور منطقی ہوتے ہیں۔ عدل اجتماعی کا ایک ہمہ گیر اور آفاقی تصور تمام واقعات و اثرات پر محیط ہے۔ آفات و حوادث کی بھی کچھ وجہیں ہوتی ہیں۔ کوئی بات لغو نہیں ہوتی۔ ہر بات کا ایک مفہوم ہے۔

۷۔ تاریخ کا عمل بالکل غیر جانب دارانہ ہے۔ یہ کسی کی طرف داری نہیں کرتا اور ہر ایک کو صرف اس کے کام کا صلہ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے اس میں تحریف یا اس کو مسخ کرنے کی کوشش کی، خواہ وہ کتنے ہی طاقت ور اور ہوشیار ہوں، تاریخ کے عمل نے ان کو فسانۂ عبرت بنا کر رکھ دیا ہے

۸۔ زمین کا کوئی بندوبست دوامی کسی کے لیے نہیں ہے۔ یہ خدا کی ملک ہے اور وہی اس کا حقیقی وارث ہے، جب جسے جتنی مدت کے لیے جو خطہ اور جتنا حصہ چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ پھر اس کا امتحان لیتا ہے اور جب وہ اس میں ناکام ہو کر اپنے کو نااہل ثابت کر دیتا ہے تو اسے بے دخل کر دیا جاتا ہے اور اس کے قبضے کے کوئی آثار یا تو باقی نہیں رکھے جاتے یا نصیحت کے لیے کچھ یادگاریں چھوڑ دی جاتی ہیں۔

۹۔ خدا کی قدرت اکثریت و اقلیت اور قوی و ضعیف کا کوئی امتیاز و لحاظ نہیں کرتی۔ اس کے

فیصلے ایک اخلاقی اصول ومعیار پر ہوتے ہیں، صالح افراد اور گروہوں کو عزت دی جاتی ہے، غیر صالح کو ذلیل کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ بڑی بڑی طاقت ور سلطنتیں اور جابر شخصیتیں فنا کر دی جاتی ہیں، اور ان کی جگہ زمام اقتدار کم زوروں کے سپرد کر دی جاتی ہے، اکثریتیں شکست کھا کر مغلوب ہو جاتی ہیں اور اقلیتیں فتح مند ہو کر غالب آ جاتی ہیں:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي	کہو، خدایا، ملک کے مالک، تو جسے چاہے
الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ	حکومت دے اور جس سے چاہے چھین
مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ وَتُذِلُّ	لے، جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو
مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ	چاہے ذلیل کر دے، بھلائی تیرے اختیار
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (آل عمران: ۲۶)	میں ہے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

۱۰۔ انقلاب زمانہ کے یہ نشیب وفراز ہمیشہ ہوتے رہے ہیں۔ جب ایک نظام بدلتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا آجاتا ہے تو بلندی وپستی کی ترتیب الٹ جاتی ہے، دولت وعزت کے مالک مفلس وذلیل ہو جاتے ہیں اور افلاس وذلت میں پڑے ہوئے لوگ دولت مند اور معزز ہو جاتے ہیں:

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً	بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں
اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ	تو اسے خراب اور اس کے عزت والوں
اَهْلِهَآ اَذِلَّةً۔ (النمل: ۳۴)	کو ذلیل کر دیتے ہیں۔

۱۱۔ گردش ایام ایک ابتلائے عام ہوتی ہے۔ جب کسی ملت پر عذاب ہوتا ہے اور عذاب نازل کیا جاتا ہے تو اس کی بداعمالیوں کی سزا ان تمام افراد کو بھی بھگتنی پڑتی ہے جنھوں نے ان بداعمالیوں کی اصلاح کے لیے جدوجہد کرنے کے بجائے انھیں گوارا کر لیا، خواہ وہ ذاتی طور پر کتنے ہی پرہیزگار اور نیکوکار ہوں، اس لیے کہ انھوں نے اپنی اجتماعی ذمے داری ادا کرنے سے پہلو تہی کی اور اس طرح بالواسطہ بدکاریوں میں شریک ہو گئے۔ اس ابتلائے عام کے نتیجے میں مخلص، باشعور اور صاحب کردار افراد منافق، بے شعور اور بے کردار اشخاص سے ممتاز ہو جاتے ہیں:

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	تاکہ اللہ مومنوں کو الگ چھانٹ لے اور
وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران: ۱۴۱)	کافروں کی سرکوبی کرے۔

۱۲۔ دنیا کی رزم گاہ خیر و شر میں آخری فتح صالحین کے لیے مقدر ہے، اس لیے کہ تاریخ انسانی میں تعمیر و ترقی اور فروغ و عروج کے عوامل وہی ہیں۔ لہٰذا جب وہ حق و باطل کی کشمکش اور نیک و بد کی آزمائش میں کھرے اور اہل ثابت ہو جاتے ہیں تو کوئی ان کا راستہ روکنے والا نہیں ہوتا، انھیں تائید ایزدی حاصل ہوتی ہے اور توفیق الٰہی خود ان کی راہ ہموار کرتی ہے:

يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ○ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ○ (التوبہ: ۳۲-۳۳)	یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ مگر اللہ اپنی روشنی کو مکمل کیے بغیر ماننے والا نہیں ہے، خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پوری جنس دین پر غالب کر دے، خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔
وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا (النور: ۵۵)	اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی حالت خوف کو امن سے بدل دے گا۔

۱۳۔ سیاسی تباہی کا پیش خیمہ معاشی بدتری ہے، لیکن بدتری کا تصور مادی نہیں، اخلاقی ہے۔ خوش حالی بجائے خود معیار فلاح نہیں، جب تک زندگی کا کوئی اعلیٰ نصب العین کارفرما نہ ہو، محض معیار رہائش کو مطمح نظر بنانا خدا کے غضب کو دعوت دینا ہے، اس لیے کہ مادہ پرستانہ عیش کوشی رب کائنات کی نافرمانی پر مشتمل ہوتی ہے اور امرا رنشۂ دولت

میں سرشار ہوکر عیش و عشرت کے اس درجہ عادی ہوجاتے ہیں کہ ایک پاکیزہ زندگی کی اخلاقیات کو نظر انداز کردیتے ہیں، وہ تہذیب کے نام پر فحاشی کو رواج دیتے ہیں اور انسانی قدروں سے صرف نظر کرلیتے ہیں۔ ایسی حالت میں تمدن کے ظاہری ترقیات ہی بربادی کا باعث ہوتی ہیں، اس لیے کہ بڑھتے ہوئے وسائل معیشت زیادہ سے زیادہ عیاشیوں، لہوولعب، لغو تفریحات اور بدکاریوں کو فروغ دیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اخلاقی قویٰ کمزور ہوجاتے ہیں، کردار میں اضمحلال آجاتا ہے، ہر قسم کی خود غرضی، تنگ نظری، مفاد پرستی اور بوالہوسی پیدا ہوجاتی ہے، سیرتیں بگڑ جاتی ہیں، بالآخر شعور بھی رخصت ہوجاتا ہے اور قایدین اکابر مجرمین بن کر پوری قوم اور عام انسانیت کو فنا کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔

۱۴۔ کائنات اور حیات میں مسلسل حرکت و ترقی ہورہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم دے کر روئے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا اور اس سے بندگی رب کا عہد لے کر ہر قسم کی قوتیں اور صلاحیتیں عطا کردیں، اسے ہدایت دی اور زمین و آسمان کے بے شمار مظاہر کو اس کے لیے مسخر کردیا، جب کہ تخلیق آدم سے قبل انسان کی کوئی حقیقت نہیں تھی، اور اسے نظام قدرت میں امانت الٰہی کا حامل قرار دیتے ہوئے خداوند تعالیٰ نے ایک مکمل قانونِ فطرت آدمی کی سہولت کے لیے تشکیل دیا، گرچہ آزمائش کے لیے پرفریب زیب و زینت کی بہت سی چیزیں بھی دنیا میں پیدا کردیں۔ بہرحال، آدمی خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے ترقی کی آخری حدوں تک جاسکتا ہے۔ کائنات کی آخری سرحد تک پہنچ سکتا ہے، جیسا قرآن کی سورتوں، بنی اسرائیل اور النجم، کی آیات سے واضح ہے۔ لیکن یہ فروغ و عروج اس انسان کا ہوگا جو اشرف المخلوقات اور مسجود ملایک ہے، کسی مادی وجود اور معاشی حیوان کے میکانکی ارتقا کی کوئی گنجائش قرآنی فلسفۂ تاریخ میں نہیں ہے، لہٰذا ڈارون کا نظریۂ بقائے اصلح اور مارکس کی جدلیاتی تعبیر تاریخ دونوں ہی غلط ہیں، صرف اسلام کا اخلاقی تصور تاریخ صحیح، مثبت، تعمیری اور نتیجہ خیز ہے۔ تخلیق آدم سے معراج النبی تک انسانی زندگی کا جو صالح ارتقا ہوا ہے وہی تاریخ کا روشن ترین باب ہے۔ انسانیت کا یہ عروج دینِ اسلام کے علم بردار انبیا و رسل کے ہاتھوں وحی الٰہی کے زیر ہدایت ہوا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت دینِ اسلام کی تکمیل کرتی ہے۔ یہی شریعت تہذیب کی صراطِ مستقیم ہے اور تمدن کا مثالی نصب العین۔ تاریخ کا ڈیڑھ ہزار سالہ عصر حاضر بعثتِ محمدی کا دور رسالت ہے، جس میں اب تک کی ساری ترقیات ہوئی ہیں اور آئندہ بھی ہوں گی، اگر جدید تاریخ موجودہ گم رہی

سے نکل کر ایک بار پھر اسلام کے جادۂ اعتدال پر آسکی، ورنہ پوری دنیا تباہ ہو جائے گی۔

۱۵۔ امنِ عالم اور آفاقی حریت واخوت کا جو نسخہ اسلامی فلسفۂ تاریخ نے تجویز کیا ہے وہی قوموں کی موجودہ کشمکش کا واحد حل ہے۔ اسلامی توحید ہی انسانیت کی شیرازہ بندی کر سکتی ہے۔ اس مقصد کے لیے دین اسلام کے کسی فرقہ وارانہ تصور کے بجائے اسے ایک نظریۂ حیات کے طور پر اختیار کرنا ہوگا۔ یہ اختیار ایک اصولی فیصلہ ہوگا اور اس کے عملی اثرات یکساں طور پر تمام فرقوں، طبقوں اور علاقوں کے لیے مفید ثابت ہوں گے۔

۱۶۔ افراد کی طرح اقوام کی مہلت کار بھی معین ہے۔ اسی لیے تاریخ میں مختلف قومیں مختلف اوقات و مقامات میں ابھریں اور ڈوبیں اور ابھرتی اور ڈوبتی رہیں گی۔ ملتوں کا یہ طلوع وغروب قدرتِ خداوندی کے مقرر کیے ہوئے ایک خاص نظام شمسی کے تحت ہے۔ ایک قوم جب تمام مادی ترقیات کے باوجود اخلاقی بگاڑ میں مبتلا ہو کر روئے زمین کو ظلم سے بھر دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر حجت تمام کر کے اسے منصبِ اقتدار سے ہٹا دیتا ہے یا بالکل مٹا دیتا ہے اور اس کی جگہ ایک دوسری قوم لے آتا ہے جو اس سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ کام بلا رورعایت، ایک سخت، بے لاگ، بے لچک اصول کے مطابق ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔

۱۷۔ رحم وکرم اللہ تعالیٰ کی سب سے نمایاں صفت ہے جو تمام مظاہر زندگی پر محیط ہے اور اس کا غضب اسی وقت نازل ہوتا ہے جب انسان اپنی حقیقت فراموش کر کے تنگ دلی اور بے رحمی کو اپنا وطیرہ بنا لیتا ہے، پھر بھی تباہ کن عذاب سے قبل رب العالمین آفات ومصائب کے ذریعے انسانوں کو خبردار کرتا رہتا ہے، لیکن جب وہ ظلم وستم سے باز نہیں آتے تب وہ سختی سے پورا انصاف کرتا ہے، تاکہ نظامِ کائنات برہم نہ ہو اور حیاتِ انسانی کا توازن باقی رہے۔

مشترک خاندانی نظام اور اسلام

از مولانا سلطان احمد اصلاحی

مشترک خاندانی نظام ہندوستان اور تیسری دنیا کے ملکوں کا ایک اہم مسئلہ ہے اس رسالہ میں اسلام کے مطلوبہ خاندانی نظام کے خدوخال، اس کے مستند مآخذ کی روشنی میں دلائل کے ساتھ واضح کیے گئے ہیں۔

صفحات ۵۶ ۔ آفسٹ کی حسین طباعت ۔ قیمت صرف ۶ روپئے

ناشر۔ مکتبہ تحقیق وتصنیف اسلامی ۔ پان والی کوٹھی ۔ دودھ پور ۔ علی گڑھ ۔ ۲۰۲۰۰۲